حضرت عمر کے سرکاری خطوط

۲- محاذِ عراق و عجم

از
جنابِ ڈاکٹر خورشید احمد صاحب فارق
(استاذ ادبیاتِ عربی - دہلی یونیورسٹی)

(۱۱)

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ فرمایئے برہان بابتہ ماہ اپریل ۱۹۵۶ء)

۱۱۰ و ۱۱۱ یَعلیٰ بن مُنیہ کے نام

یَعلیٰ بن مُنیہ رسول اللہ کے آخری عہد میں یمن کے ضلع جَنَد کے گورنر تھے - بعد میں غالباً کل یمن ان کی تحویل میں آگیا اور وہ ۳۶ھ تک جب حضرت علی نے ان کو معزول کیا گورنر رہے - یمن میں کئی قسم کی خوشبودار چیزیں ہوتی تھیں جن میں ایک عنبر تھا - یہ پُراسرار خوشبو عدن اور مُخا کے درمیانی ساحل پر ملتی تھیں جہاں جنوبی ہوائیں لاکر اس کو ڈالتی تھیں - ایک شخص نے یہ خوشبو کافی مقدار میں پائی، گورنر کو اس کا علم ہوا تو وہ یہ فیصلہ نہ کرسکے کہ اس پر محصول لیا جائے یا نہیں، انھوں نے مرکز سے رجوع کیا تو یہ جواب آیا:

"عنبر ایک تحفۂ خداوندی ہے - اس پر اور سمندر سے جو کچھ برآمد ہو، پانچواں حصہ محصول لیا جائے۔"

یہ کتاب الخراج ابو یوسف کی روایت ہے (ص ۷۰) قاسم بن سلّام کی کتاب الاموال

(صہ ۳۴۸) میں جو خطبیان ہوا ہے اس میں دسواں حصہ محصول لینے کا حکم ہے۔ خط کے الفاظ یہ ہیں :۔

"سمندر سے جو موتی اور عنبر برآمد ہو اس پر دسواں حصہ محصول لیا جائے۔"

۱۱۲ و ۱۱۳ جزء بن معاویہ کے نام

یہ احنف بن قیس کے چچا اور اہواز کے ضلع سُرّق کے کلکٹر تھے ۔(فتوح البلدان صہ ۳۹۳)

ان کے سکریٹری بجالہ راوی ہیں کہ جزء بن معاویہ کو اپنی وفات سے ایک سال پہلے حضرت عمر کا یہ فرمان موصول ہوا :۔

"ہر جادوگر کی گردن مار دو۔ وہ تمام نکاح جو پارسیوں نے ذمی محرموں میں کئے ہوں منسوخ کردئے جائیں اور ذمی محرم شوہر اور بیوی کو الگ کردیا جائے، اسی طرح پارسیوں کو کھانا شروع کرتے وقت زمزمہ کرنے سے بھی باز رکھا جائے۔"

یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ پارسیوں کا ذمی محرموں سے نکاح کرنا اور کھانا کھاتے وقت گنگنانا اُن کے مذہبی معاملات تھے، اور پارسی مسلمانوں کی امان میں آکر ذمی ہوگئے تھے اور ذمیوں کو اسلام نے شخصی و مذہبی معاملات میں آزاد چھوڑا تھا، پھر حضرت عمر نے یہ مداخلت کیوں کی؟ اس کا جواب کتاب الاموال کے مصنف ابن سلّام نے یہ دیا ہے کہ مذکورہ فرمان جس وقت بھیجا گیا اس وقت پارسیوں کو ذمیوں کا درجہ نہیں ملا تھا بلکہ ان کا شمار عام مشرکوں میں تھا۔ پھر جب ایک صحابی نے بتایا کہ رسول اللہ نے ہجر کے پارسیوں کو ذمیوں کا درجہ دیا تھا تو حضرت عمر نے اپنی رائے بدل دی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے گو کتاب الاموال میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت عمر کا مذکورہ فرمان بھی منسوخ ہوگیا ہوگا۔ (کتاب الاموال قاسم بن سلّام، مصر صہ ۳۱ وکنز العمال ۶/۲۹۸) کتاب الاموال ابن زنجویہ میں خط کا مضمون ان الفاظ میں بیان ہوا ہے ۔ خط کے ناقل کا نام مجالد بن عبداللہ

ہے، میرا خیال ہے یہ وہی شخص ہے جس کو ابن سلّام کی کتاب الاموال میں جیسا کہ ابھی ہم نے پڑھا بجالہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے:۔

"تمہارے علاقہ میں جو پارسی ہوں ان سے کہو کہ ماؤں بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کرنا چھوڑ دیں اور سب مل کر کھانا کھایا کریں (؟) اگر وہ ایسا کریں گے تو ہم ان کو اہلِ کتاب کا درجہ دیں گے۔ اس کے علاوہ ہر جادوگر اور کاہن کی گردن مار دو"[1]

۱۱۴۔ جزء بن معاویہ کے نام

دارقطنی اور ترمذی میں ۲ دو مختصر خط ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے مذکورۂ بالا فرمان سے بعد میں رجوع کر کے پارسیوں کو ذمیوں کا درجہ دے دیا تھا۔ دارقطنی میں سکریٹری کا نام بجالہ بن عبدہ آیا ہے اور جُزء بن معاویہ کو سُرّق کی بجائے مناذر کا عامل بتایا گیا ہے۔ مناذر اور سُرّق دونوں اہواز کے اہم ضلعے تھے۔ خط کا مضمون یہ ہے:

"عبدالرحمٰن بن عوف نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ نے ہجر کے پارسیوں سے جزیہ وصول کیا تھا، لہذا اس شہادت کی بنا پر تم اپنے علاقہ کے پارسیوں سے جزیہ لو (تاکہ ان کو ذمیوں کے حقوق حاصل ہوں)"[2]

یہاں یہ اشارہ ضروری ہے کہ اگر کتاب الاموال کی مذکورہ صفائی اور دارقطنی اور ترمذی کے بیان کردہ خطوں کو درست مان لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ ان کی نگارش سے پہلے مفتوحہ عراق کے سارے پارسی مشرکوں کے درجہ میں تھے، حالانکہ تاریخی شہادت اس کے خلاف ہے۔ سُرّق اور مناذر ۱۷ھ کے لگ بھگ فتح ہوئے، اس سے کئی برس پہلے سنہ بارہ اور تیرہ میں خلیفہ اول کے عہد میں خالد اور مثنّیٰ نے دجلہ کے دہانہ میں میسان اور کسکر میں اور پھر حیرہ

---

[1] کنز العمال ۲/۳۰۰ [2] دارقطنی، دہلی ص ۲۲۶ و ترمذی، ہند، ص ۲۴۴

کے نواح میں جو پارسی علاقہ فتح کیا تھا اس پر جزیہ لگایا تھا جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ پارسیوں کو ابتدا سے ذمیوں کے حقوق دئے گئے تھے، پھر حضرت عمر کے اولین عہد یعنی ۱۵ تا ۱۶ھ میں جب عراق کا اکثر حصہ فتح ہوا تب بھی مفتوح پارسیوں کو ذمی قرار دے کر جزیہ لگایا گیا تھا۔

۱۱۵ و ۱۱۶ و ۱۱۷۔ مُغیرہ بن شُعبہ کے نام

سنہ ۲۱ھ میں اہلِ کوفہ کی شکایت پر عمار بن یاسر گورنری سے مستعفی ہوئے اور ان کی جگہ مُغیرہ بن شعبہ کا تقرر ہوا جو حضرت عمر کی وفات یعنی سنہ ۲۳ تک اپنے عہدہ پر فائز رہے۔ شعبی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے اہلِ کوفہ کی توجہ شعر و شاعری سے ہٹا کر قرآن اور اخلاقی طہارت کی طرف پھیرنے کے لئے گورنر کو یہ خط لکھا:۔

"شہر کے شاعروں کو بلا کر ان کا جاہلی اور اسلامی کلام سنو اور مجھے اس کی ایک رپورٹ بھیجو۔"

جب شاعر جمع ہوئے تو گورنر نے مشہور مُعلّقہ شاعر لبید بن ربیعہ سے کہا کہ اپنا جاہلی اور اسلامی کلام سنائیں۔ لبید نے کہا: جب سے مجھے خدا نے بقرہ اور آلِ عمران کی سورتیں عطا کی ہیں، شعر و شاعری سے مجھے دلچسپی نہیں رہی۔" اس کے بعد ایک دوسرے شاعر اَغلب عِجلی سے کلام سنانے کو کہا گیا۔ انھوں نے کہا: رجز کے شعر سناؤں یا قصیدہ کے، میرے پاس ہر قسم کے اشعار موجود ہیں۔" دونوں شاعروں کے جواب کی خبر مرکز کو ہوئی تو یہ فرمان آیا:۔

"اَغلب کے سالانہ وظیفہ سے پانچسو درہم کم کر کے لبید کے وظیفہ میں بڑھا دو۔"

اَغلب کو اس حکم سے حیرت اور کوفت ہوئی اور وہ فریاد کرنے حضرت عمر کے پاس آئے اور کہا: تعمیلِ حکم کا آپ نے مجھے یہ صلہ دیا ہے کہ میرا وظیفہ کم کر دیا!" حضرت عمر نے اپنے فیصلہ پر نظرِ ثانی کی اور گورنر کو لکھا:۔

"اَغلب کے وظیفہ میں پانچ سو درہم جو کم کئے ہیں بڑھادو اور لبید کے وظیفہ میں جو اضافہ کیا ہے اسے برقرار رکھو۔"[1]

۱۱۸- آذربیجان کے مسلمانوں کے نام

"دبیش قدمی" کے منصوبہ کے تحت حضرت عمرؓ نے ایران کے مختلف محاذوں پر فوجیں بھیجیں تو آذربیجان کے صوبہ کے لئے دو افسر مقرر کئے: ایک عُتبہ بن فرقد اور دوسرے بُکیر بن عبداللہ۔ آذربیجان کا صوبہ ان دونوں میں بانٹ دیا گیا۔ ایک کو حُلوان کے راستہ سے اور دوسرے کو مَوصِل کی راہ سے آذربیجان میں داخل ہونے کا حکم تھا۔ آذربیجان میں کوئی بڑی لڑائی نہیں ہوئی اور دونوں اپنے اپنے حدود میں سمجھوتے کرتے آگے بڑھتے رہے حتیٰ کہ سارا صوبہ اسلامی جھنڈے تلے آگیا۔ بُکیر بن عبداللہ مرکز کی اجازت سے مُوقان اور شروان (رباب) مسخر کرنے بڑھ گئے اور آذربیجان کے کل صوبہ پر عُتبہ بن فرقد گورنر مقرر ہوئے۔ آذربیجان بقول واقدی اور ابو مَعشَر ۲۲ھ میں اور بقول سیف بن عمر ۱۸ھ میں فتح ہوا۔ ابو عثمان نہدی راوی ہیں کہ جب میں عُتبہ کے ساتھ آذربیجان میں تھا تو مرکز سے یہ خط موصول ہوا:

"مسلمانو! تہبند باندھا کرو، ردا اوڑھا کرو، جوتے پہنا کرو، چرمی موزے اور شلوار اتار دو۔ تمہارا لباس وہی ہونا چاہیئے جو تمہارے دادا اسماعیل کا تھا۔ ٹھاٹ باٹ سے اجتناب کرو۔ فارسی لباس نہ پہنو۔ [فارسی طور طریق سے بچو، کیوں کہ فارسی طور طریق بہت بُرے ہیں] دھوپ میں رہو کہ وہ عربوں کا حمام ہے۔ کبھی سختی اور کبھی نرمی سے کام لو۔ نشانہ بازی اور گھوڑے پر کود کر بیٹھنے کی مشق کرو۔ [رکابیں اتار دو اور گھوڑوں پر کود کر بیٹھا کرو] رسول اللہ نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے اِلّا یہ کہ ریشم کی بناوٹ اس طرح ہو—— یہ کہہ کر

---

[1] کنز العمال ۲/ ۱۷۶

رسول اللہ نے انگوٹھے کے برابر والی دو انگلیاں ملالیں"۔[1]

سنن کبریٰ بیہقی (۱/ ۱۲۸) میں بھی ان سے ملتی جلتی ہدایات ابو عثمان نہدی کی سند پر بیان ہوئی ہیں مگر یہاں حضرت عمران ہدایات کو زبانی بیان کرتے دکھائے گئے ہیں اور غالباً ان کا مخاطب آذربیجان کا وفد تھا۔ کنز العمال کے راویوں نے بھی ان ہدایات کو زبانی بتایا ہے۔ اس کے علاوہ کنز العمال کی بیان کردہ ہدایات میں ریشم سے متعلق رسول اللہ کا فرمان سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔

شرح نہج البلاغہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ یہ خط ایک عام ہدایت نامہ کا حصہ ہے جو حضرت عمر نے گورنروں کو بھیجا تھا۔ نہج البلاغہ میں بیان کئے ہوئے نسخہ میں یہ عبارت زیادہ ہے:

"اور اپنے لڑکوں کو تیراندازی اور تیراکی کی مشق کرایا کرو"۔[2]

۱۱۹ و ۱۲۰ عُتبہ بن فرقد کے نام

عتبہ بن فرقد گورنر آذربیجان نے حضرت عمر کے لئے دو پٹاریوں میں ایک حلوہ بھیجا جس کا نام خبیص تھا[3] اور اُس کو ہوا کے اثر سے محفوظ رکھنے کے لئے پٹاریوں پر نمدے کا استر دے کر چمڑا چڑھا دیا حضرت عمر سمجھے کہ پٹاریوں میں سرکاری روپیہ آیا ہے، لانے والے نے جب بتایا کہ خبیص ہے تو آپ نے پٹاری کھلوائی اور چکھ کر دیکھا اور بولے: بہت مزے دار ہے۔ پھر لانے والے سے پوچھا: کیا سب مہاجر اس کو سیر ہو کر کھا سکتے ہیں؟ لانے والے نے کہا: نہیں، یہ صرف آپ کے لئے ہے"۔ حضرت عمر نے حلوہ واپس کر دیا اور یہ پُرعتاب خط عتبہ کو لکھا:۔

"عبداللہ عمر امیر المؤمنین کی طرف سے عتبہ بن فرقد کو، واضح ہو کہ

---

[1] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ، ابن حجر، ۴/ ۲۲۶ و کنز العمال ۸/ ۵۰۸ بہ سند شعب الایمان بیہقی و جامع ابو ذر ہروی توسین والا حصہ کنز العمال کی دوسری روایت کے بموجب ہے جو مسند احمد بن حنبل، صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی اسناد پر وارد ہوئی ہے، ۲/ ۱۴۱

[2] نہج البلاغہ، مصر ۳/ ۱۱۹

[3] سیف بن عمر کی سند پر طبری (۴/ ۲۵۶) میں ہے کہ عتبہ خود خبیص لے کر حج کے موقعہ پر آئے تھے۔

یہ حلوہ جو تم نے مجھے بھیجا ہے نہ تمہاری محنت کا ثمرہ ہے نہ تمھاری ماں کی نہ تمھارے باپ کی (بلکہ مسلمانوں کے خون پسینہ سے تم کو حاصل ہوا ہے) لہذا تمھارا فرض ہے کہ تم وہی غذا کھاؤ جو تمھاری فوج کے باقی مسلمانوں کو میسر ہوتی ہے، یا (میں بس وہی کھانا کھاتا ہوں جو عام مسلمانوں کو میسر ہوتا ہے۔ یہ اس صورت میں جب لاناکل کو لا ناکل پڑھیں، جس کا قرینہ ہے)[1]

سنن کبریٰ بیہقی (مصر ۱۰/ ۱۲۸) میں یہ خط اس طرح نقل ہوا ہے ماخذ ہر دو نسخوں کا ایک ہے یعنی ابو عثمان نہدی[2]:-

"واضح ہو کہ یہ حلوہ جو تم نے میرے لئے بھیجا ہے نہ تو تمہاری محنت کا ثمرہ ہے، نہ تمھاری ماں کی، نہ تمھارے باپ کی (بلکہ مسلمانوں کی قربانی سے تم کو حاصل ہوا ہے) لہذا تم کو چاہیئے کہ جس غذا سے تم خود سیر ہوتے ہو وہی غذا باقی مسلمانوں کو بھی دو۔"

۱۲۱ و ۱۲۲۔　عتبہ بن فرقد کے نام

اگر اس امر میں شبہ ہو کہ عید کا چاند ہوا یا نہیں تو اس کی تحقیق کا طریقہ ذیل کے خط میں بتایا گیا ہے۔ اگر صبح سویرے چاند نظر آجائے تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ چاند کل کا ہے اور اس صورت میں روزہ توڑ دینا چاہیئے، اور اگر چاند غروب سے پہلے شام کے وقت نظر آئے تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ چاند آج کا ہے۔

"اگر چاند صبح کے وقت دیکھو تو روزہ کھول لو، کیوں کہ صبح کو چاند نظر آنا

---

[1] بعض دوسری روایتوں میں : کیا سب مہاجر اس کو سیر ہو کر کھا سکتے ہیں ؟ کی جگہ یہ الفاظ ہیں: کیا یہ حلوہ سارے مسلمانوں کو (یعنی عتبہ کی فوج کے) پیٹ بھر کر ملتا ہے ؟ لانے والے نے کہا: نہیں۔ یہ الفاظ خط کے مضمون سے زیادہ ہم آہنگ ہیں۔

[2] ابو عثمان نہدی فتوح البلدان، طبع ۳۳۶

اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کل کا ہے، اور اگر چاند صبح کی بجائے شام کو نظر آئے تو اس دن کا روزہ پورا کرلو، کیوں کہ چاند کا شام کو نظر آنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کل کا نہیں آج کا ہے"[1]

ایک دوسرے راوی ابو وائل نے اسی موضوع پر یہ خط بیان کیا ہے :-

"بعض مہینے بڑے اور بعض چھوٹے ہوتے ہیں، پس اگر تم دن میں چاند دیکھو (یعنی اُس دن جس کی شب گذشتہ میں چاند کا نکلنا محقق نہیں ہو سکا ہے) تو اس وقت تک روزہ نہ توڑو جب تک دو بالغ مسلمان شہادت نہ دیں کہ انھوں نے کل رات چاند دیکھا تھا"[2]

۱۲۳- اَحنفؔ بن قیس کے نام

"جارحانہ پیش قدمی" کے منصوبہ کے تحت صوبۂ خراسان کی مہم احنف بن قیس کے سپرد کی گئی۔ خراسان مملکت ایران کا سب سے بڑا شمالی صوبہ تھا جہاں سے ہوکر عراق کی تجارتی و عسکری شاہراہ خوارزم، ماوراء النہر اور چین کو جاتی تھی۔ جلولا اور حلوان سے بھاگنے کے بعد شاہ یزدجرد خراسان کے مشہور شہر مروشاہجہاں میں مقیم ہوا اور یہاں بیٹھ کر فرمانوں اور سفارتوں کے ذریعہ مسلمانوں کو ملک سے نکالنے کی جدوجہد میں مصروف تھا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ عرب فوجیں خراسان میں گھس آئی ہیں تو اس نے ماوراء النہر کے حاکموں اور شاہ چین سے مدد مانگی۔ لیکن بیرونی مدد آنے سے پہلے اس نے مروشاہجہاں (پایۂ تخت) مرورود اور بلخ کے معرکوں میں شکست کھائی اور خراسان چھوڑ کر منگولی ترکوں کے پاس بھاگ گیا۔ احنف نے مرکز کو فتوحات اور یزدجرد کے فرار کی خبر دی اور اس کے تعاقب کی اجازت مانگی تو یہ خط موصول ہوا :-

"جیحوں پار نہ کرو، خراسان کی فتوحات کافی ہیں۔ جس سیرت سے

---

[1] بسند ابن ابی شیبہ و ابوبکر شافعی، کنز العمال ۴/۳۲۵ [2] ایضاً و دار قطنی، کنز العمال ۴/۳۲۵

تم نے خراسان فتح کیا ہے اس سے خوب واقف ہو، اس پر اگر قائم رہو گے تو ہمیشہ کامیابی تمہارے قدم چومے گی، دریا پار نہ کرو، مجھے اندیشہ ہے ایسا کرنے سے کہیں تمہارا شیرازہ نہ بکھر جائے[1]

۱۲۴- ابو موسیٰ اشعری کے نام

ابو موسیٰ کا تعارف:- ۱۰ھ میں رسول اللہ کی طرف سے مارب اور بقول بعض زبید اور عدن کے ضلعوں میں تحصیل زکاۃ اور تفہیم قرآن کی خدمت پر مامور ہوئے۔ شعبی فرماتے ہیں: صحابہ میں چھ آدمی صف اول کے عالم تھے جن سے لوگوں نے علم دین حاصل کیا: عمر، علی، اُبی بن کعب، ابن مسعود، زید بن ثابت اور ابو موسیٰ اشعری، نیز یہ کہ اسلام کے پہلے بڑے قاضی چار ہیں: عمر، علی، زید بن ثابت، اور ابو موسیٰ۔ ابو موسیٰ کی پبلک سیرت کو نظر میں رکھتے ہوئے یہ رائے غلط نہیں کہی جا سکتی۔ وہ لگ بھگ تیس برس تک اسلام کی خدمت کرتے رہے، منتظم، معلم اور فاتح کی حیثیت سے اور ان کی خدمات ہر شعبہ میں ممتاز تھیں۔ ۱۷ھ میں بصرہ اور اس کے ماتحت علاقوں کے گورنر ہوئے اور اہواز، فارس اور کرمان میں فتوحات حاصل کیں۔ حضرت عثمان کے عہد میں اہل کوفہ کے سخت اصرار پر کوفہ کے گورنر مقرر ہوئے اور حضرت علی کی خلافت کے پہلے سال اس عہدہ سے الگ کیے گئے۔

وہ حضرت عثمان کی مخالف تحریک کو بے انتہا خطرناک سمجھتے تھے اور حضرت علی کی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ مسلمانوں کے اتحاد اور اسلام کے استحکام کے شیدائی تھے۔ جب اُفقِ اسلام پر سول وار کی گھٹا چھا رہی تھی اور اہل کوفہ کو طلحہ اور زبیر سے لڑنے دربارِ خلافت سے بار بار بلایا جا رہا تھا تو عرصہ تک اور پیہم دھمکیوں کے باوجود انھوں نے قرآنی آیات اور رسول اللہ کے فرمودات کا واسطہ دے کر اور مستقبل کے بُرے نتائج سے ڈرا کر شہر کے لوگوں کو روکے رکھا، اس کی ان کو بھاری

---

[1] سیف بن عمر طبری ۴/۲۶۳-۲۶۴

قیمت ادا کرنی پڑی، ان کو ذلت کے ساتھ معزول کیا گیا۔ سول وار کے کچھ متوالوں نے ان کا سامان تک لوٹ لیا اور سخت بے آبرو ہو کر کوفہ سے نکالے گئے، تاہم ان کی قربانی رائگاں نہیں گئی کیونکہ انھوں نے کوفہ کے اکثر باشندوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا تھا۔ ۳۷ھ میں جنگ صفین ہوئی جس میں عربی شجاعت اور شرافت کا عنصر اعظم فنا ہو گیا۔ اس کا خاتمہ اس تجویز پر ہوا کہ فریقین کے دو نمائندوں کی کمیٹی مقرر کی جائے جو حضرت علی اور حضرت معاویہ کے جھگڑے کو قرآن کی رو سے طے کرے۔ اہل کوفہ نے حضرت علی کی طرف سے ابو موسیٰ کو نمائندہ بنایا۔ ابو موسیٰ نے صورت حال پر ٹھنڈے دل سے غور کیا۔ ان کے سامنے پھر اسلام کا استحکام اور مسلمانوں کا اتحاد تھا۔ انھوں نے وہ فیصلہ دیا جس کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت تھی، جس کے سامنے شخصیتیں بے وزن تھیں، جو ذاتی نقصان یا بدنامی سے بے پرواہ تھا، جس کے سامنے صرف مسلمانوں کی اجتماعی بھلائی تھی، اور وہ فیصلہ یہ تھا کہ خلیفہ نہ حضرت علی ہوں نہ معاویہ بلکہ کوئی تیسرا شخص ہو جسے مسلمانوں کے سواد اعظم کا اعتماد حاصل ہو۔ یہ فیصلہ قدرتی طور پر دونوں فریقوں کو ناپسند تھا۔ اس کے بعد ابو موسیٰ نے ہمیشہ کے لئے حکومت و سیاست سے منہ موڑ لیا اور گوشۂ عزلت میں پناہ لی جہاں سات سال بعد ۴۴ھ میں وفات پائی۔

حضرت عمر کے سب سے زیادہ خطوط انھی کے نام ہیں[۱]...

صوبۂ اہواز میں ابو موسیٰ اشعری کی فاتحانہ سرگرمی کے بارے میں قدیم عرب مورخوں میں سخت اختلاف ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ صوبۂ اہواز کا بیشتر حصہ انھوں نے مرکز کی زیر ہدایت خود فتح کیا دوسری جماعت کا دعویٰ ہے کہ اہواز کا تقریباً نصف حصہ ان کے گورنر ہونے سے پہلے فتح ہو چکا تھا اور باقی نصف ان کی گورنری کے زمانہ میں دوسرے سالاروں نے فتح کیا اور ان کا حصہ اس فتح میں بس اتنا تھا کہ وہ دو بار کمک لے کر آئے تھے۔ اس جماعت کے نمائندہ سیف بن عمر ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب محرم ۱۷ھ میں ابو موسیٰ بصرہ کے گورنر ہوئے تو اہواز کی یہ چھاؤنیاں اور ضلعے عتبہ بن غزوان کے عہد میں اسلامی تصرف میں آ چکے تھے: مناذر، نہر تیری، سوق الاہواز (اہواز کا صدر مقام) اور

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ، ذہبی، حیدرآباد ص۲۱-۲۲ تاریخ ابن خلدون

مُنَزَق، یعنی صوبہ کے تقریباً آدھے جنوب مشرقی و جنوب مغربی حصہ پر قبضہ ہو چکا تھا اور ہُرمُزان والیِ اہواز کے پاس صرف یہ ضلعے باقی رہ گئے تھے: سُوس، تُستر، جُندی سابور، بُنیان اور مہرجانقذق۔ یہ علاقہ دو سال میں بصرہ اور کوفہ کی فوجوں نے مرکز کی طرف سے مقرر کئے ہوئے ایک سالارِ اعلیٰ کی قیادت میں فتح کیا اور اس فتح کے دو نازک موقعوں پر ابو موسیٰ کمک لے کر آئے، ایک تُستر اور دوسرے سُوس کے محاصرہ کے موقع پر۔

دوسری جماعت جس کی نمایندگی ابو مخنف، واقدی اور مدائنی کرتے ہیں کہتی ہے کہ تقریباً سارا اہواز ابو موسیٰ نے مرکز کی زیر ہدایت خود فتح کیا۔ دونوں کا یہ اختلاف جیسا کہ ظاہر ہے بڑا بُنیادی اور حیران کن اختلاف ہے، اس کے علاوہ دوسرا اختلاف تاریخ فتوح کے بارے میں ہے۔ سیف کی رائے ہے کہ ۱۷ھ تک سارا اہواز اسلامی قبضہ میں آچکا تھا، دوسرے مورخ کہتے ہیں کہ ۲۰ھ میں اہواز کی فتح مکمل ہوئی۔

ذیل میں اہواز کے محاذ سے متعلق جو خطوط بیان ہوئے ہیں وہ ان مورخوں کی طرف سے ہیں جو کہتے ہیں کہ اہواز ابو موسیٰ اشعری نے فتح کیا۔

۱۲۵۔ ابو موسیٰ اشعری کے نام

اہواز کے دو شہروں میں مقابلہ بہت سخت ہوا۔ مُناذِر اور تُستر یہاں کے نہایت مسلح اور قلعہ بند لوگوں نے آخر وقت تک ہتھیار نہ ڈالے۔ حسن بصری راوی ہیں کہ جب تُستر بزورِ شمشیر فتح ہوا تو مسلمانوں نے شہر کے باشندوں کو غلام بنا لیا، جن میں حاملہ عورتیں بھی تھیں۔ حضرت عمر کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے لکھا:-

"کوئی مسلمان حاملہ عورت سے اس وقت تک ہم بستر نہ ہو جب تک اُس کے بچہ نہ ہو جائے، مسلمانو! مشرکوں کے نطفہ میں نطفہ نہ ملاؤ، کیوں کہ نطفہ سے بچہ بنتا ہے۔"[۱]

۱: ازالۃ الخفاء ۲/۱۱۸ و کنز العمال ۵/۱۶۹